ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

ہیر رانجھا (فارسی) از یکتا

"المعارف" فروری کے شمارے میں ہیر رانجھا سے متعلق مضمون پڑھ کر خیال پیدا ہوا کہ فارسی میں لکھی گئی ایک ایسی ہی مثنوی سے قارئین کو روشناس کرایا جائے۔ فارسی میں کئی ایک شعرا نے یہ داستان نظم کی ہے۔ تاہم اس مضمون میں نواب احمد یار خاں المتخلص یکتا کی مثنوی ہیر رانجھا سے بحث کی گئی ہے۔

جیساکہ واضح ہے ہیر رانجھا پنجاب کا ایک مشہور عوام قصہ ہے جو قبول عام اس علاقائی قصے کو میسر آیا شاید ہی کسی اور علاقائی قصے کو آیا ہو۔ چنانچہ انشا جیسے شاعر کو بھی ایک موقع پہ کہنا پڑا کہ :

سنا یارات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا ۔۔۔ تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لُوٹ لیا

پنجابی میں کی گئی منظومات ہیر رانجھا، بالخصوص ہیر وارث شاہ کے برعکس (جسے دیگر پنجابی منظومات پہ برتری حاصل ہے) فارسی میں لکھی گئی مثنویاں مختصر ہیں۔ راقم کے پاس فارسی کی ایسی دو مثنویاں ہیں، اور دونوں اس قول کی تائید کرتی ہیں۔ ایک یہی نواب احمد یار خاں یکتا کی اور دوسری سید محمد اکبر کی (اسے آفرین لاہوری کی تصنیف بھی کہا گیا ہے) ۔

نواب احمد یار خان گورگانی کا تخلص یکتا اور تعلق برلاس قبیلے سے تھا[1] اس کا والد اللہ یار خاں لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کا حاکم تھا۔ خان مذکور کو خوشاب میں جاگیر ملی تھی عمر کے آخری سالوں میں اس نے "فوجداری غزنین" پر قناعت کر لی تھی[2] یکتا کی پیدائش لاہور میں اور پرورش خوشاب میں ہوئی اور خوب ناز و نعم میں ہوئی ۔ "علوم ظاہریہ" اس

---

[1] غلام علی آزاد، مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ ص ۱۹۹ –

[2] ایضاً

نے لاہور ہی میں اپنے وقت کے اساتذہ اور مختلف فنون کے ماہرین کی خدمت میں حاصل کیے۔ خوش نویسی اور مصوری میں خاصی مہارت بہم پہنچائی، چنانچہ بقولِ آزاد "خطوط در نہایت جودت می نگاشت و تصویر بکمال تحفگی می کشید"[۵۳] جوانی میں اسے ٹھٹھہ کا حاکم بنا دیا گیا۔ ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) میں وہ بھکر چلا گیا۔ جہاں اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل، علامہ میر عبدالجلیل سے ایک مدت تک اس کی معتقدانہ صحبتیں رہیں۔ اسی شہر بھکر میں یکتا نے قرآن کریم کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر علامۂ مذکور کو بطور یادگار کے دیا۔ قرآن کریم کا یہ نسخہ سرو آزاد کی تالیف (۱۱۶۶ھ) تک موجود تھا۔ یکتا کی وفات خوشاب ہی میں ہوئی اور وہیں دفن ہوا۔

آزاد نے یکتا کی تاریخ وفات ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۷/ اکتوبر ۱۷۳۴ لکھی ہے۔ آزاد بلگرامی اس کی وفات کے ذکر میں لکھتے ہیں:

نگارندۂ اوراق وقتِ معاودت از سفرِ سندھ بہ ملتان رسیدہ استماع یافت کہ احمد یار خان بیست وسوم جمادی الاولیٰ سنہ سبع واربعین ومأتہ والف ... در قصبۂ خوشاب خلوت نشین تراب گردید۔ بہ استدعائے مہربانے قطعۂ تاریخ در سلک نظم کشیدم ویک عدد زیادہ را بحسن تعمیہ بر آوردم:

خانِ والا رتبہ احمد یار خاں ذاتِ او آئینۂ خلقِ عظیم
در فنونِ فضل یکتائے زماں زادۂ افکارِ او دُرِّ یتیم
کرد از معمورۂ گیتی سفر ماتم او ساخت دلہا را دو نیم
چونکہ یکتا رفت، شد تاریخ او "جائے احمد یار خاں بزمِ نعیم"[۵۴]

محمد حسین احمد آبادی مؤلفِ "گلزار حسینی" اور "سوال آخرۃ" نے غالباً "شمع انجمن"[۵۵] ہی کی پیروی میں یہی سند (۱۱۷۴) لکھا ہے اور یہ غلط دعویٰ بھی کیا ہے کہ چونکہ کسی بھی شاعر اور تذکرہ نویس نے اس صاحب

---

[۵۳] غلام علی آزاد، مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ ص ۱۹۹۔
[۵۴] مصرعِ تاریخ سے ایک عدد کم کیا جائے تو مطلوبہ تاریخ نکل آئے گی۔ سرو آزاد ص ۲۰۰۔
[۵۵] محمد صدیق حسن، شمع انجمن، بھوپال، ۱۲۹۳ ص ۵۳۹۔
[۵۶] تذکرہ "سرو آزاد" ۱۱۶۶ھ میں تصنیف ہوا (ملاحظہ ہو اس کتاب کا ص ۴) اور چونکہ آزاد بلگرامی یکتا کا معاصر بھی تھا، اس لیے اس کا قول صحیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے محمد حسین کی نظروں سے مذکورہ تذکرہ نہیں گزرا۔

کمال کی تاریخِ وفات نہیں کہی تھی، اس لیے بندے نے فی البدیہ تاریخ کہی:

یکتا کہ بشعر بود یکتا — مشہور ز ماہ تا بماہی
او بود شہی بملکِ عرفاں — در ملکِ سخن نمودہ شاہی
اشعار چو گوہرِ آبدارش — اینک بکمالِ او گواہی
سہ شنبہ ز رجب شانزدہم — گو گشتہ بملکِ خلد راہی
بنوشت حسین سالِ فوتش — "پیوست برحمتِ الٰہی"[۷]
۱۱۷۵-۱=۱۱۷۴

یکتا صاحبِ دیوان تھا اور مثنوی ہیر رانجھا کے علاوہ اور بھی چند مثنویاں — گلدستۂ حسن، اور شہر آشوب وغیرہ — اس نے لکھیں، لیکن ہیر رانجھا کے سوا، جسے مولوی محمد باقر، پروفیسر فورمن کالج لاہور (یعنی ایف۔سی کالج) نے مرتب اور کتب خانہ محمدی کے مالک ابوسعید محمد الدین نے مطبع مفید عام لاہور سے طبع کرا کے ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں شائع کیا، اس کی اور کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے۔ بعض تذکروں میں اس کی غزلوں کے چند اشعار ضرور مل جاتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا تذکروں کے علاوہ تذکرۂ حسینی میں بھی جس میں اسے "شاعر نیکو ادا"[۸] لکھا گیا ہے، اس کی دو غزلوں کے دو شعر درج ہیں۔

اس دور کے اہلِ خوشاب نے اسے ایک مردِ متوکل، صاحبِ دل، صاحبِ برکاتِ معنوی، اور اہلِ کرامات قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے اس کی آرام گاہ زیارت گاہِ عوام رہی ہے۔ اس کی اس آرام گاہ کو "روضۂ نواب صاحب" کہا گیا ہے[۹]۔

سروِ آزاد میں یکتا تخلص کے دو معاصر شاعروں کے مابین مناقشے کا ذکر ملتا ہے۔ احمد یار خاں کے علاوہ لاہور کا ایک اور شاعر محمد عاقل بھی یکتا ہی تخلص کرتا تھا۔ اس نے احمد یار خاں

۷۔ مثنوی یکتا ص ۹۵

۸۔ میر حسین دوست سنبھلی، تذکرۂ حسینی، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۸۵۷ء ص ۳۴۳

۹۔ مثنوی یکتا ص ۹۴، ۹۵ - آج کل یہ مزار وہاں موجود ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس حالت میں ہے؟ اگر کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں تو راقم ممنون ہوگا۔

سے کہا کہ یہ میرا تخلص ہے اس لیے یہ مجھ ہی سے منسوب رہنا چاہیے۔ جواب میں احمد یار خاں نے کہا کہ ہم اب "یک تا" نہیں رہے بلکہ "دو تا" ہو گئے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم دونوں کسی طرح پر غزل کہیں، جس کی غزل اچھی ہو تخلص اس کا ہو گا۔ چنانچہ دونوں لاہور میں ایک جگہ چند صاحبان کے ہمراہ اکٹھے ہوئے۔ پہلے احمد یار خاں نے غزل پڑھی، ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ محمد عاقل نے خاموشی اختیار کر لی۔ ہر چند دوستوں نے باصرار اسے غزل پڑھنے کو کہا لیکن اس نے اپنی غزل بے جان سمجھتے ہوئے پڑھنے سے اجتناب برتا۔ آخرکار احمد یار خاں نے ایک محضر نامہ تیار کیا جس پر سب حاضرین نے مہر تصدیق ثبت کی، (ص ۲۰۰) آفرین لاہوری نے اس پر یہ شعر لکھا:

بریں معنی گواہیم آفرین ما — کہ احمد یار خان یکتاست یکتا (ص ۲۰۱)

ایک صاحب نے یہ مصرع لکھا:

گوہر یکتاست احمد یار خان (تاریخ الافکار، ص ۷۸۹)

"تذکرہ نویسوں نے اسے "یکتای اماثل و مستجمع فنون فضائل" "ناظم ہیرای بی ہمتا"، "شاعر نیکواد" اور ... "بلطافت سخن یکتا و مجبول بخوش کلامی و رنگین بیانی" لکھا ہے اور یہ کہ "اقسام شعر را بقدرت می گفت"، نیز ... "کلام لطافت نظامش بری از حشو و عیوب ظاہر و باطن می باشد[۱۱]"

یکتا کی مثنوی ہیر رانجھا، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا سال تالیف معلوم نہیں، تاہم قرائن سے پتا چلتا ہے کہ یکتا نے پریشاں حالی میں اور گوشۂ تنہائی و قناعت اختیار کرنے کے بعد یہ مثنوی کہی، اس لیے کہ مثنوی میں کہیں بھی عیش و طرب کے مناظر نظر نہیں آتے، جب کہ ایسی عشقیہ داستانوں میں ایسے مناظر ان کے لوازم میں سے سمجھے جاتے ہیں۔ مثنوی کے آخر میں کہے گئے اشعار بھی اس بات کی تثبیت کرتے ہیں، جن میں اس

---

۱۱ ملاحظہ ہو سرو آزاد، نتائج الافکار، تذکرۂ حسینی، شمع انجمن اور مثنوی یکتا (دیباچہ) نیز دیکھیے: طامس ولیم بیل، مفتاح التواریخ، نولکشور لکھنؤ، ۱۸۴۳ء، ص ۳۱۵

نے اپنی پریشانی اور ملول طبعی کا ذکر کرتے ہوئے قاری سے معذرت چاہی ہے کہ وہ اس حالت میں ایسی شاعری نہیں کر سکا جو شرفِ قبولیت کے لائق ہو[۱۱] بہرحال یکتا نے سادہ و عام فہم تشبیہات و استعارات و کنایات سے کام لیا ہے۔ اس کے بعض اشعار سہل ممتنع کی اچھی مثال ہیں کسی موقع پر بھی اس نے سادگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اپنی اس سادہ گوئی اور پختہ کاری کا بالواسطہ اظہار اس نے مثنوی کے آخر میں کیا ہے :

شعرِ فرمائشی نیاید کار　　گرچہ باشد ہمہ دُرِّ شہوار
سادہ و پختہ گفتن آسان نیست　　کار ہر شاعرِ سخندان نیست[۱۲]

مثنوی کا آغاز حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے اشعار استعارات سے پاک ہیں لیکن حقیقت میں اس کے بیشتر اشعار تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ دیگر مختلف صنائع و بدائع بالخصوص حُسنِ تعلیل اور صنعت تجنیس کے حامل ہیں مثلاً وہ زبان کو موجۂ خون اور شعلۂ نورِ حمد، نفس کو کبوترِ مستی جو ذکرِ "یاھُو" میں محو ہے، دل کو باغ کا ایک پھول اور آہ کو خیابانِ ایزدی کا سرو کہتا ہے۔ اسی طرح اس کے مطابق، آتش اس محبوبِ ازلی کے عشق میں سوختہ جان، شعلہ دست افشاں اور پہاڑ ایک ایسا خرقہ پوش ہے جو بادۂ حیرت سے مدہوش ہے۔ یکتا کا یہ انداز سبکِ ہندی کا ایک روشن نمونہ ہے۔ ان ہی صنائع کی وجہ سے یکتا کے ان اشعار میں ایک خاص زیبائی و تاثیر پیدا ہو گئی ہے :

آن زبانے کہ موجۂ خون است　　شعلۂ نورِ حمدِ بےچون است
نفس از نامِ او کبوتر مست　　ذکرِ "یا ھُو" بودہ اش از دست
دل پُر خون گلی ز بستانش　　آہ یک سرو از خیابانش
ہر دلے کز غمش پریشان است　　از طپش نخل برگ ریزان است
چرخ سرگشتہ ای ز سودایش　　بستہ زنجیرِ کہکشاں پایش
اخگرِ مہر را چنان بشکست　　کہ شرار کواکب از وی جست

---

[۱۱] مثنوی یکتا ص ۸۹　　[۱۲] ایضاً

بادِ آشفتہ گردِ بے سر و کو　　　آبِ دیوانۂ پریشان مو

آتش از سوزِ عشق سوختہ جان　　　شعلہ از وجدِ شوق دست افشان

ابر را تا غبارِ غم پیچید　　　زنگِ آئینۂ فلک گردید

رعد آہے بجان رسیدۂ اوست　　　برق یک بسمل تپیدۂ اوست

ذرّہ ہا در ہوائے او رقصان　　　ہمچو طاؤس مست چرخ زنان

ہر گیاہے کہ بر زمین روید　　　وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

یکتاؔ اسی طرح وحدتِ خداوندی کو مختلف امثال سے ثابت کرتا اور بعد میں خود کو بزمِ الست کا مست اور جلوۂ حق کا مدہوش کہہ کر اپنے قاری سے معذرت چاہتا ہے کہ اس حالتِ مستی و مدہوشی میں اگر اس سے کوئی لغزش سرزد ہو گئی ہو تو اس پر خردہ گیری اور طعنہ زنی نہ کرے۔ اس لیے کہ شرابِ عشق بڑی ہی تند و تیز ہے اور جو کوئی اس کی بُو ہی سونگھ لیتا ہے وہ مست ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شاعر ہجر اور اپنی آہ و فغاں کا ذکر کر کے عشق و عاشقی کے معاملات — ناز و غمزۂ دوست، اور عاشق کی جاں نثاری وغیرہ — کی تصویر کشی اور حسن و عشق کی توصیف و مدح میں چند اشعار کہہ کر نعتِ رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرتا ہے:

از نسیمِ غمش زِ اشک مدام　　　دیدہ ریزد شگوفۂ بادام

غمزہ کو تا بدشنۂ خونخوار　　　بشگفاند ز لختِ دل گلزار

چشمِ دلبر تغافل خوست　　　نرگسِ مستِ ناز عربدہ جوست

چہ شود گر تبسمِ شیرین　　　مژدہ بندد نیشکر آئین

گر نماید اشارۂ ابرو　　　زاں سیاہ تاب تیغِ آتش خو

جان ز شادی نثار او سازم　　　سر بجای کلہ بر اندازم

چہ بود عشق باد فصلِ خزاں　　　حشرِ گل برگِ لختِ دل ریزاں

یا بود عنفوانِ فصلِ بہار　　　دلِ فسردہ را کند گلزار

شورِ او گر نمک فشاں گردد　　　زخمِ دل محشرِ فغاں گردد

قلزمِ عشق موجۂ خون است　　　دل یک قطرہ اش جیحون است

ہر کجا عشق جلوہ آرا شد ذرّہ شد دشت قطرہ دریا شد

نعت کے بعد اس نے "رنگ آمیزیٔ حُسن وعشق" کے تحت دونوں (حسن اور عشق) کی جہانگیری وجہانبانی کا ذکر کیا اور مختلف تشبیہات سے ان کی وضاحت کی ہے۔

یکتا کو پنجاب بالخصوص لاہور سے والہانہ عشق تھا، جس کا ثبوت ان دونوں کی تعریف میں کہے گئے اشعار سے ملتا ہے۔ ان مقامات پر بھی یکتا نے اپنی جولانیٔ طبع دکھاتے ہوئے دلکش وحسین تشبیہات اور صنائع سے ایسا سماں باندھا ہے کہ قاری کچھ دیر کے لیے ان میں کھو جاتا ہے۔ پنجاب کو "کشورِ حسن خیز" ایسے الفاظ سے یاد کر کے پہلے اس کے حُسن وخوبی اور آب وہوا کی لطافت ودلکشی کی عکاسی کی ہے اور بعد میں زراعت، خاص پیداوار گندم، چاول، روڑی، یہاں کے باغ، چمن اور سبزہ وغیرہ اور مٹی کے ظروف کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ باتیں آج بھی اسی طرح موجود ہیں۔ یعنی آج بھی یہاں کی خاص پیداوار مذکورہ بین چیزیں ہی ہیں اور اسی طرح "چھکے" پر مٹی کے برتن تیار کیے جاتے ہیں۔ پنجاب کی خوش گوار آب وہوا سے، جو یہاں کے باشندوں کی عمدہ صحت اور خوب صورتی کا باعث ہے، یکتا بہت متاثر ہے، اور چونکہ پنجاب کا سب سے بڑا، تاریخی اور خوب صورت شہر لاہور اس کا مولد ہے، اس لیے اس کی تعریف میں وہ بہت رطب اللسان ہے اور اکثر جگہ اس نے غلو سے کام لیا ہے۔ لاہور کے لیے اس نے بالکل تازہ، پُرتاثیر اور دلنشین ترکیبیں تراشی ہیں جو اس کے مولد دوستی کے بھرپور جذبے کی عکاسی ہیں۔ وہ لاہور کو مصرِ محبوبی اور یوسفستانِ عالم خوبی کہتا ہے۔ اس کے مطابق لاہور کی رفعت وبلندیٔ رتبہ کے آگے شوکت اور رُتبہ فلک پست نظر آتے ہیں۔ صفا وپاکیزگی کے لحاظ سے وہ سینۂ ابرار کی لوح ہے (کاش آج کا لاہور اتنا نہ سہی کم از کم اس کا بیسواں حصہ ہی صفا وپاکیزہ ہوتا) اور صدق یہاں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ یکتا صبحِ صادق کو جو نور کا مطلع ہے، لاہور کا ایک کوچہ قرار دیتا ہے۔ (بڑی پیاری تشبیہ ہے) آسمان یہاں کا گنبد اور کہکشاں یہاں کے بازار کا ایک راستہ ہے۔ لاہور کی تعریف وتوصیف کے ساتھ ہی وہ یہاں کے حسینوں کی انتہائی زیبائی ودلکشی کو اپنے خاص رنگ میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ آخری شعر میں اس کے لیے دعا کی ہے کہ نظر بد اس سے دور رہے۔

بعض دوسرے فارسی شاعروں نے بھی لاہور کی تعریف کی ہے لیکن جس والہانہ انداز میں یکتا نے

تعریف کی ہے، دوسروں کے یہاں نظر نہیں آتی ۔ ملاحظہ ہو پہلے پنجاب کی تعریف :

سرزمینے کہ عشق را باب است　　کشورِ حسن خیز پنجاب است
صفتش را کہ گل زبان گردد　　نطق باغِ ارم نشان گردد
از بیانش رقم ختن دربر　　حرفہا مشکِ نافۂ اذفر
لفظ گلدستہ بند شعلۂ نور　　سطر سنبل طرازِ طرۂ حور
مزرعِ حسن و دشتِ محبوبی　　گلشنِ ناز و جنتِ خوبی
از ہوایش کہ روح را جان است　　زندگی زندہ کردۂ آن است

اب ذرا لاہور کی تعریف میں دلکش و جاذب تشبیہات و ترکیبات اور مختلف صنائع کا استعمال دیکھیے، جس میں تصنع کی بجائے شاعر کا خلوص صاف جھلکتا ہے ۔ اس کے مطابق اگرچہ پنجاب کا ہر گوشہ طرب خیز اور مئے شوق کا لبریز جام ہے :

لیک لاہور مصرِ محبوبی ست　　یوسفستانِ عالمِ خوبی ست
شرفش داد آن قدر رفعت　　کہ بشانش نمی رسد شوکت
از بلندی گزشت پایۂ او　　نُہ فلک پست زیر سایۂ او
از صفا لوحِ سینۂ ابرار　　صدق جنسِ دکانِ ہر بازار
صبحِ صادق کہ مطلعِ نور است　　یکی از کوچہ ہائے لاہور است
آسمان، گنبدِ نمود ارش　　کہکشاں، رستۂ زبازارش
از ہوایش کہ رنگ می ریزد　　با غبارش فرنگ می ریزد
صبح و شامش ز رنگِ جلوہ گری　　گردشِ چشمِ عشوہ ریز پری
خوب رویانِ آن بہشت آورنگ　　ہمہ آدم فریبِ گندم رنگ
ہر طرف خیل خیل ماہ رُویان　　صندلی چہرہ عنبرین مُویان
ہر یکی نونہالِ سروِ اندام　　جلوہ بدمست، موج نشۂ خرام
از ہمین شہرِ جلوہ خانۂ نور　　رُستہ این شعلہ ہائے آتشِ طور
نازنین شہرِ حسن بنیاد است　　چمنِ محفلِ پری زاد است

ناسوادش زچشم کردہ نگاہ — از حسد روئے ہند گشتہ سیاہ[۱۳]

دیدۂ عالم است خطۂ نور — چشم بد زین سوادِ اعظم دور

اب باقاعدہ داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے رانجھا کے مولد کا ذکر ہے۔ شاعر کے مطابق لاہور[۱۴] کے سرحدی مضافات میں سے تھا، جہاں رانجھا کی ولادت ہوئی۔ اس کی سرزمین بہشت نسب، اور گلشنِ عشق و مستی تھی۔ اس سرزمین میں لالہ و گل کے بجائے صرف "عشق پیچاں" اگتی ہے، اور اس کے بازاروں میں بھی سامانِ تجارت کی بجائے عشق و جنون ہی کا سامان ہوتا ہے۔ یہاں کا حاکم ایک عادل، نیک فطرت، صاحبِ جود و سخا اور دولت و جاہ والا تھا۔ رانجھا اس حاکم کا بیٹا تھا۔ حسن و جمال میں شہرۂ آفاق، نسبتِ پری زاد اور دل اڑانے میں استاد۔ یکتا نے رانجھے کے حسن و خوبی کی جو تصویر کشی کی ہے اس میں مبالغہ کچھ اس حد تک آ گیا ہے کہ وہ مردانہ حسن کی بجائے زنانہ حسن کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ فنی طور پر تو اس موقع کے اشعار عمدہ بھی ہیں اور دلچسپ بھی، لیکن اگر رانجھا میں مردانہ حسن دکھایا جاتا تو وہ عین فطرت کے مطابق ہوتا۔ یہاں یکتا کا قلم معنوی طور پر کچھ چوک گیا ہے:

نازنینِ لعبتے پری زادے — در فنِ دل ربودن استادے

نوجوان سروِ گلشنِ خوبی — ہمہ تن رشکِ جنت و طوبیٰ

نونہالِ شگوفہ صد گلشن — سرچمن موچمن کرشمہ چمن

برقِ گلبرگ ریز شعلۂ نار — از ادا شوخیش بخود گلباز

دُرِ دندانِ آں پری پیکر — در صفا بردہ آب از گوہر

صفِ مژگان قطارِ دشنۂ تیز — ہمہ آمادہ از پئے خون ریز

غمزہ الماس ریزِ طاقتہا — خون چکانندہ از جراحتہا

یہ رانجھا کسی نادیدہ و نامعلوم محبوب کے عشق میں بُری طرح گرفتار ہوا۔ وحشت و جنون نے

۱۳؎ لفظ ہند پر حسنِ تعلیل ہے۔ فارسی میں ہند یا ہندو کے معنی سیاہ کے بھی ہیں۔

۱۴؎ اس زمانے میں لاہور کا اطلاق بڑے وسیع علاقے پر ہوتا تھا۔

اسے گھیر لیا جس کے نتیجے میں اس کا دل دنیا کے کاروبار سے سرد پڑ گیا اور اس نے اہل دنیا اور رسم و رواجِ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ وہ نے نوازی میں اس قدر ماہر و مشاق تھا کہ اس کے نغمے مسیحائی کا کام کرتے۔ بڑا مہمان نواز تھا۔ جب بھی کوئی اجنبی اور پردیسی اس کے پاس آتا وہ اس سے بڑی مہربانی سے پیش آتا اور اس کے شہر و دیار کے بارے میں اس سے معلومات حاصل کرتا۔ ایک روز ایک اجنبی ہزارہ میں وارد ہوا۔ رانجھا نے حسبِ معمول اس کی خاصی آؤ بھگت کی اور اس سے اس کے دیس کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔ اجنبی نے اسے بتایا کہ اس کا تعلق جھنگ سیالاں سے ہے جو دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ اس نے دریا اور شہر دونوں کی بے حد تعریف کی:

وہ چہ رُودے تمام وجد و سرود — نغمہ پیدا ز تر زنالہ رُود ...
سر بسر بے قرار چوں سیماب — در صفا کوثر و باسم چناب
خیلِ ماہی در آں شطِ مجنون — پارہ ہائے دلِ تپیدہ بخون
در کنارش سفینہ ہا پیدا — چوں در آئینہ عکسِ ابروہا

دریا کی تعریف کیا کم تھی کہ ظالم نے اس سے بھی بڑھ کر شہر کی تعریف کر کے رانجھے کی آتشِ عشق کو اور بھڑکا دیا۔ رانجھا تو ایک طرف رہا، عام قاری بھی یہ تعریف پڑھ کر بے قرار ہو جائے گا۔ وہ شہر ایسا حسین تھا یا نہیں، یکتا کے قلم نے تو جادو جگا دیا ہے:

صفتِ شہر اگر کنم تقریر — مُشک ریزد ز خامہ ام تحریر
طرفہ مشکیں سواد نور فضا — سرمۂ چشمِ دیدۂ بینا
عشق را جانِ حُسن را کان است — نام آں جھنگِ سیالان است،
عنبر افشاں نسیم از گردش — حور و غلمان ہمہ زن و مردش
صحن ہر خانہ گلستانِ پری — جوشِ حسنِ بہار جلوہ گری
ہر طرف دلبرانِ سحر پرداز — جلوہ نیرنگ شوخی و انداز
خیل خیلش غزالِ رم خوردہ — از خطا دُختن گرو بردہ
چمن عشق و سیرگاہِ جنون — قطرۂ نقشِ مُحی بو قلموں

عشق را جادو حسن را ماواست — وشتستان شورش دلہاست

اس شہر کا سردار سخاوت و مروت میں شہرۂ آفاق اور بے مثال ہے۔ اس کی لڑکی ہیر حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ وہ فریب نظر ہے۔ حسن و خوبی، رعنائی و دلکشی اور عفت و عصمت کی اس پیکر تک آج تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکی۔ اسے اپنے حسن پر بڑا ناز ہے۔ اسی لیے کسی دوسرے کو کچھ نہیں سمجھتی۔ ماں باپ کے علاوہ وہ بہن بھائیوں کی بھی بڑی لاڈلی ہے۔ سبھی اس کی خوشیوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ یکتا نے یہاں ہیر کا جو سراپا کھینچا ہے۔ اس میں خاصی کشش کا سامان ہے:

ہیر نامی بہشت و پیرہنا — دہر لیکن گلشن زچپ رہنا
دلستان پیکرے پریزادے — حور عصمت سرشت آزادے
آتشیں جلوہ برق شعلہ خرام — غنچہ لب، گلعذار سرو اندام
جلوہ طاؤس شوخی و انداز — عشوہ رنگین تذرو گلشن ناز
چشمش آہوی شوخ وحشت خو — می کند رم زسایۂ ابرو
نگہش برق یاش مزرع دل — غمزہ اش ہوش ریز عقل گسل
قامتش خیل فتنہ را سالار — حشر برق افگن قیامت یار
ہست آن شوخ جملہ تن آتش — گلشنستان شعلۂ سرکش

ان چند اشعار سے ملاحظہ ہوا کہ یکتا کسی بھی نئی تراکیب اور مختلف صنائع کے حسین استعمال کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ کہانی کا مواد کیسا ہے، پلاٹ میں کوئی فنی خامی تو نہیں، یکتا اپنے اس حسن بیان کے سبب قاری کو ان سوالات کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ تعجب اس بات کا ہے کہ اس کی یہ استادانہ مثنوی کیوں کر گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی۔ یعنی جو پذیرائی اسے ملنی چاہیے تھی وہ نہیں ملی۔ بہر حال بات ہو رہی تھی ہیر کی اور اس کے بے مثال حسن و جمال کی۔ مصنف نے اس کی تصویر کچھ ایسی کھینچی کہ رانجھا جو اب تک کسی نادیدہ پری وش کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا، دل و جان سے غائبانہ طور پر، ہیر پر مر مٹ گیا۔ مہمان بھی بڑا ستم ظریف تھا۔ اس نے رانجھے کی آتش شوق کو بھڑکانے کے لیے یہ بھی کہہ دیا کہ اس وقت اگر کوئی شخص ہیر کا ہمتا ہے تو وہ تمہی ہو۔ وہ اک ذرا

چھیڑئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے" والی کیفیت ہوگئی۔ میاں رانجھا عشقِ ہیر میں کچھ ایسا الجھا کہ پریشانی و اضطراب نے اس کا دامن پکڑا۔ کھانا پینا سونا سب چھوٹا۔ چہرے کی رنگت زردی کا شکار ہوئی۔ آہ و فغاں، گریہ و زاری اس کا شیوہ ٹھہرا۔ بایں ہمہ شوریدگی و دیوانگی اسے اتنا ہوش ضرور رہا کہ کوئی دوسرا اس کے اس حالِ دل سے آگاہ نہ ہو۔ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ ادھر مرضِ عشق کا دباؤ بڑھ رہا تھا اُدھر رانجھے کا باپ اللہ کو پیارا ہوگیا۔ بھائی پہلے ہی اس تاک میں تھے۔ انھوں نے جائداد کی تقسیم وغیرہ کے سلسلے میں باہم الجھ کر رانجھا سے بڑا سلوک کیا۔ رانجھا ٹھہرا عاشق۔ اسے ان جھنجھٹوں سے کیا سروکار۔ اس کا مطلوب و مقصود تو اب ہیر تھی اور بس۔ اسے بھائیوں سے چھٹکارے کا بہانہ مل گیا۔ آخر تلاشِ دوست میں ترکِ شہر کرکے چل کھڑا ہوا۔ پوچھتے پوچھتے دریائے چناب کے کنارے پہنچ گیا۔ وہاں اسے ایک خوب صورت کشتی نظر آئی جس نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔ کشتی کیا تھی نگار خانۂ چین تھی۔ کشتیِ بادِ کی طرح ہوش ربا۔ جو کوئی ایک دفعہ اس میں بیٹھ گیا خود میں کھوگیا۔ اس کشتی میں ہیر کے آرام کرنے کی جگہ تھی۔ ذرا اس کی تصویر ملاحظہ ہو:

تار و پودش ہمہ رگِ جان بود ۔۔۔ پردۂ چشمِ حور و غلمان بود
از حریرِ حیا ملائم تر ۔۔۔ زر و سیمش فروغِ شمس و قمر
نقش ابر خیال بوقلمون ۔۔۔ نظر آسیمہ ساز عقل جنون ۔ آسیمہ = سرگشتہ۔ پریشان

رانجھے نے ملاح سے کشتی کے مالک کے بارے میں پوچھا کہ یہ نگارین بہشتِ رنگا رنگ کس کی ہے۔ اس نے ہیر کا نام لیا۔ ہیر کا نام سنتے ہی رانجھے کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ وہ عالمِ اضطراب میں اس کشتی میں سوار ہوگیا۔ ملاحوں کو اس کی اس حرکت پر غصہ تو آیا لیکن اس کے پُر رعب جمال کے سبب اسے روک نہ سکے۔ رانجھا راستے کی تھکان کا مارا تھا، جلد ہی سوگیا۔ ایک ملاح کی بیوی دوڑی دوڑی ہیر کے پاس پہنچی اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہاں یکتا نے اس عورت کی زبانی ہیر کی عفت و عصمت اور شرم و حیا کی تصویر کشی کی ہے:

گر حیا نامِ پاکت آغازد ۔۔۔ اولاً از عرق وضو سازد

ہیر غیظ کے عالم میں کنارِ دریا پہنچی۔ پہلے تو اس نے ملاحوں کو ڈانٹا ڈپٹا، پھر خود اپنی کشتی کی

طرف آئی۔ رانجھے پر جب اس کی نظر پڑی تو سارا غصہ کافور ہو گیا۔ الٹا اس کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ مبہوت ہو کے صورت دیوار کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ عشق کا دیوتا اس پر تیر چلا چکا تھا۔ تاہم عفت وحیا کے سبب اس نے خود پر قابو پایا اور بے نیازی سے خادم کی طرف دیکھ کر کہنے لگی کہ اسے جگا دیتا کہ میں اس کی خبر لوں۔ اس حصہ میں یکتا نے ہیر کی نفسیاتی کیفیت کی عکاسی کی ہے جو اس کی مہارت پر دال ہے۔ غرض ہیر اپنے جذبات پر قابو پا کر بھی نہ پا سکی۔

بقیہ قصہ مختصراً اس طرح ہے کہ ہیر کسی بہانے رانجھے کو اپنی ماں کے پاس لے جاتی ہے۔ اسے گائیں چرانے پہ ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ ہیر موقع پا کر اس سے ملتی رہتی ہے۔ اور ایک روز اس کا چچا کیدو اسے رانجھے کے ساتھ دیکھ کر اس کی اطلاع اس کی ماں کو دیتا ہے۔ (یکتا نے کیدو کو ایک ولن کے طور پر پیش کیا ہے جو بڑا بدباطن ہے) اور خوب بڑھا چڑھا کر یہ واقعہ سناتا ہے۔ باپ کو بھی پتا چل جاتا ہے اور وہ ہیر کو زنداں میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک روز وہ موقع پا کر اپنے چچا کے ٹھکانے کو آگ لگا دیتی ہے۔ چچا اس کے والدین کو بتاتا ہے۔ ہیر دوبارہ زنداں میں ڈال دی جاتی ہے لیکن اس مرتبہ بیمار پڑنے کے باعث اس کی ماں اسے کسی قدر ڈھیل دے دیتی ہے۔ چنانچہ کسی کسی موقع پہ ہیر سہیلیوں کے ساتھ باہر سیر کو جاتی ہے۔ ایک روز وہ پھر رانجھا کے پاس جاتی ہے۔ اس کے بھائی اس سے آگاہ ہو کر رانجھے کو قتل کرنے جاتے ہیں، لیکن ان کے تیر تفنگ الٹا ان کی طرف لوٹ کر انھیں زخمی کر دیتے ہیں۔ ہیر کا باپ دونوں کو پاک باز اور راست باز قرار دیتا ہے۔ دونوں کی شادی کی تجویز پیش ہوتی ہے، مگر عزیز و اقارب کے طعنوں کے خیال سے ہیر کو کہیں اور بیاہنے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

شاعر کو ان کا یہ فیصلہ ناگوار گزرتا ہے۔ وہ آسمان کو کوستا ہے جو دو دلوں میں جدائی ڈال کر خوش ہوتا ہے۔

تا بکے خون خستگان نوشی   چند در قتلِ عاشقان جوشی
ناروا دار خصم دیرینہ   بے مروت، بخیلِ پُر کینہ
چہ بگویم ز صفتِ بیدادت   کندہ باد از بیخ و بنیادت

ہیر کی منگنی قصبہ رنگ پور کے رئیس کے بیٹے سے کر دی جاتی ہے، جس پہ وہ اظہارِ ناخوشی کرتی

رماں پر یہ واضح کرتی ہے، دوسرے لفظوں میں شاعر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس کا عشق مجازی
ہیں بلکہ حقیقی ہے۔ وہ عشق ہی کو اپنا پدر و مادر بناتی ہے۔ رانجھے کو اس بات کا علم ہوتا ہے
وہ بھی پریشان حال ہو جاتا ہے اور خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ ہیر کو آئینہ دوست اور عکس
دستِ حقیقی قرار دیتا ہے۔ گویا شاعر نے دونوں کی مجازی کیفیات کے باوجود انھیں حقیقت
طرف مائل دکھایا ہے۔

آخر ہیر کی شادی نورنگ، فرزندِ رئیسِ رنگ پور سے ہو جاتی ہے۔ اسے جہیز میں گایوں
ایک ریوڑ ملتا ہے۔ یہ گائیں رنگ پور والوں کے ساتھ جانے کی بجائے اِدھر اُدھر بھاگ جاتی
ہیں۔ مجبوراً انھیں رانجھے کو ساتھ لینا پڑتا ہے کہ وہ اس سے مانوس ہوتی ہیں۔ اب یہ دونوں
ہاں بھی ملاقات کے لیے بہانے نکال لیتے ہیں۔ نورنگ کو پتا چلتا ہے تو وہ رانجھے کو فوراً دفان ہونے
کہتا ہے اور وہ وہاں سے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ اِدھر اُدھر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ تاہم ایک
خواب میں بشارت پا کر ہیر کسی طریقے سے اُسے پیغام بھجواتی ہے کہ وہ جوگیوں کے بھیس میں اس طرف
آئے۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچ کر ایک گوشے میں ڈیرا جما لیتا ہے اور جلد ہی روحانی طبیب کے طور پر مشہور
ہو جاتا ہے۔ ایک روز ہیر بھی بیماری کا بہانہ بنا کر چند عزیزوں کے ساتھ رانجھے کے پاس پہنچ جاتی
ہے۔ رانجھا کہتا ہے، اسے سانپ کا ٹا ہے اور اس کے لیے فلاں فلاں علاج کرنا ہوگا جس کے
لیے تنہائی ضروری ہے۔ اعزہ مجبوراً مان جاتے ہیں۔ اب دونوں عاشق و محبوب اس حجرے میں
اکٹھے ہوتے ہیں۔ ہجر و فراق کے دکھڑے اور غم ایک دوسرے سے بیان ہوتے ہیں اور پھر فیصلہ
ہوتا ہے کہ دونوں وہاں سے نکل بھاگتے اور کسی دوسرے شہر میں ٹھکانا کرنے کی سوچتے ہیں۔ دوسرے
دن صبح نورنگ جب ہیر کو لینے آتا ہے تو اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل جاتی ہے۔ وہ چند
لوگوں کو ہمراہ لے کر ان کا پیچھا کرتا ہے۔ دونوں پکڑے جاتے اور رنگ پور لائے جاتے ہیں انھیں
قاضی کے پاس لے جایا جاتا ہے جو نورنگ کے حق میں فیصلہ دیتا اور ہیر کو اس کے ہمراہ کر دیتا ہے۔
رانجھا اس فیصلے پر تلملا اٹھتا اور قاضی سے احتجاج کرتا اور آہِ سرد بھرتا ہے جس سے اس شہر میں
آگ لگ جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ قاضی تنگ آ کر ہیر کو واپس
بلواتا اور رانجھے کے سپرد کر دیتا ہے۔ دونوں وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں لیکن نورنگ کے

عزیز ان کا پیچھا کر کے ہیر کو لے آتے ہیں اور رانجھے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے صحرا میں پھینک آتے ہیں۔ بعد میں کسی کے مشورے سے کہ ایسی عورت کو بیوی کے طور رکھنا گھر میں دشمن رکھنے کے برابر ہے، ہیر کو بھی اسی صحرا میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ہیر اور رانجھا دونوں حالتِ مرگ میں ہوتے ہیں کہ حضرتِ خضر وارد ہو کر پانی کے چند قطرے ان کے منہ میں ٹپکاتے ہیں۔ نتیجۃً دونوں ہوش میں آجاتے اور دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور بقول شاعر وہ آج بھی زندہ ہیں، اس لیے کہ اولیا کبھی نہیں مرتے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ یکتا نے رانجھے اور ہیر کی محبت کا آغاز تو مجازانہ کے انداز میں کیا ہے۔ ان دونوں کی ملاقات اور مل کر بھاگنے کا طریقہ بھی مجاز ہی کا غماز ہے لیکن درمیان میں ان کے منہ سے یہ کہلوا کر کہ ان کی محبت حقیقی ہے، ان کے "ولی" ہونے کا تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ خاص طور پر جب وہ کہتا ہے کہ رانجھے کی آہ سے شہر کو آگ لگ جاتی ہے اور آخر میں انھیں بالکل ولی قرار دے دیا ہے۔ ہیر کا ایک نامحرم سے چوری چوری ملنا، پھر دونوں کا دوسروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر چوروں کی طرح بھاگ جانا وغیرہ کسی صورت بھی ولیوں والی بات نہیں۔ اگر اس مقولے "المجاز قنطرۃ الحقیقت" کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے تو بھی اس کے اظہار اور بیان کے لیے خاص سلیقہ لازم ہے۔ مذکورہ حرکات تو کسی بھی طور ولیوں سے منسوب کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یکتا نے اپنی فنی خوبیوں ہی کی طرف توجہ دی ہے اور کہانی کی اٹھان کیسی ہونی چاہیے تھی اور دونوں کو ولی ثابت کرنے کے لیے کس قسم کا ماحول پیش کرنا ضروری تھا، اس طرف اس نے دھیان نہیں دیا، یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت یہ کہانی اسی صورت میں موجود ہو بہر حال کہانی سے اگر قطعِ نظر کر لیا جائے تو شعری لحاظ سے یکتا کے بہت سے اشعار بڑے بولتے ہوئے اور جاندار ہیں اور کئی ایک فنی محاسن کے حامل۔ کچھ نمونے ملاحظہ ہو چکے، دو ایک اور ملاحظہ ہوں:

رانجھے کے ہیر کی کشتی میں سونے پر کنیز ہیر کو اطلاع دیتی ہے۔ اندازِ تخاطب دیکھیے، عفت و عظمت کی کس مسند پر ہیر کو بٹھایا گیا ہے:

گفت اے نونہالِ رشکِ بہشت   حورِ عصمت سرشت نیک سرشت
شخصِ بیگانۂ کم‌شدہ بہ بستر رفتہ   با وجودِ طہارۂ تمکنت حوا صفت

عفت از زمرۂ کنیزانت | از دل و جان مطیع فرمانت
گر حیا نام پاکت آغازد | اولاً از عرق وضو سازد
گر صبا فرش مسند روبد | گرد برپشت پہلویش کوبد
بردرت گر پری گزر سازد | بازِروی ادب ز سر سازد

کیدو کو خبثِ باطن کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چھٹے شعر میں صنعتِ تجنیس کا عمدہ استعمال ہے :

ہیر را عم گدای کیدو نام | در فنِ کید و فتنہ خوی تمام
میزدے دم ز فقر و درویشی | لیک دل پُر ز کینہ اندیشی
ظاہرش از جہان کنارہ گزین | باطنش بدتر از سگِ گرگین
روستا زادہ مردِ دہقانی | کردہ تحصیل علمِ نادانی . . .
خویشتن را ولی تراشیدہ | بُت گرِ نفسِ خویش گردیدہ
در حقِ مردمانِ دشت وطن | چہ نکو گفتہ اوستادِ کہن
روستائی اگر ولی بودے | خرس در کوہ بوعلی بودے

اس دور کی شادی کی رسوم کا بھی اس مثنوی میں کچھ ذکر ہے۔ وہی باجے گاجے، دف، چنگ، نائے اور کوس (یعنی بڑا نقارہ) کے ساتھ دولھے کو دلھن کے گھر لے جایا جاتا ہے۔ زر و گوہر اس پر نچھاور کرتے ہیں ۔ عطر، شیرینی، پھول، روٹی اور شراب وغیرہ کا سامان ہوتا ہے۔ محفل ناو نوش سجتی ہے اور اہلِ طرب اس میں اور گرمی پیدا کرتے ہیں۔ ڈھول، طبل، نائے اور چنگ وغیرہ پر ایسی تھاپ پڑتی ہے اور ایسے راگ الاپے جاتے ہیں کہ لوگ ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں۔

اب ذرا کہانی کی صداقت سے مختصر بحث ہو جائے۔ ہیر رانجھے کا قصہ پنجابی، فارسی، ہندی اور انگریزی زبانوں میں بھی منظوم ہوا ہے[۵۱]

---

[۵۱] سرفراز حسین قاضی، تاریخ نرا وارث (پنجابی) ۱۹۱۲ء ص ۱۱

یکتا نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے یہ قصہ کہاں سے لیا ہے، صرف اتنا کہہ کر داستان شروع کردی ہے کہ کسی قدیم سخن پرداز نے یہ قصہ یوں کیا ہے۔ بہرحال کہا جاتا ہے کہ دمودر داس نے سب سے پہلے اسے اس دعوے کے ساتھ منظوم کیا کہ یہ واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ لیکن جدید تحقیق کے مطابق دمودر داس کا یہ دعویٰ غلط ہے[۱۶] پھر دمودر اور وارث (پنجابی میں ہیر سے متعلق جسے سند کا درجہ حاصل ہے) کے بیان کردہ قصوں میں بعض بنیادی اختلافات ہیں[۱۷] تین چار اور اقتباسات دے کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ افسوس کہ ان سب حوالوں کے باوجود بات جہاں سے چلی تھی وہیں رہی ہے، گویا حاصل گفتگو : واللہ اعلم !

"وارث شاہ کو عشق مجازی کی منازل طے کرتے کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ بھاگ بھری اچانک انھیں داغ مفارقت دے گئی۔ وارث شاہ کو اس کی مرگ ناگہانی کا سخت صدمہ ہوا۔ غم فراق اور حسرت دید کے اسی عالم میں ہیر کا قصہ نظم کرنا شروع کیا[۱۸]....."

"وارث شاہ نے اپنے عہد کے تمدنی حالات کو ہیر کے دور کے واقعات پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیدھا سادا واقعہ افسانے کے پیکر میں اپنے اصلی نقش و نگار کھو بیٹھا۔"[۱۹]

"ہیر تقریباً ۸۳۰ھ میں جبکہ ہندوستان کے اکثر علاقوں پر لودھی خاندان کی عملداری تھی، جھنگ سے جنوب مغرب کی طرف علاقہ کوٹلی باقر کے موضع چوچک میں ایک سیال کے ہاں پیدا ہوئی[۲۰]....."

"ہیر کا اصلی نام ہیر نہ تھا بلکہ عزت بی بی تھا اور رانجھا جسے اس کا عاشق شمار کیا جاتا ہے نام کا رانجھا نہ تھا بلکہ ذات کا رانجھا تھا۔ اس کا نام مراد بخش تھا۔"[۲۱]

۱۶، ۱۷ تفصیل کے لیے یہی کتاب ملاحظہ ہو۔ ص ۱۲ مجلد۔

۱۸ مقامات وارث شاہ از سید علی عباس جلالپوری ص ۱۲

۱۹ تذکرہ اولیائے جھنگ از بلال زبیری، جھنگ ادبی اکادمی۔ ص ۲۶۷

۲۰ ایضاً ص ۲۶۸ — ۲۱ ایضاً ۲۷۰

"ہیر سے جو عشقیہ داستان منسوب کی جاتی ہے، اس میں جگہ جگہ دریائے چناب کا ذکر ملتا ہے ۔۔۔ حالاں کہ ہیر کا گھرانہ دریائے جہلم کے کنارے موجودہ جھل میں آباد تھا۔ اگر اس قصے کی بنیاد حقیقت پر مبنی ہوتی تو اس میں چناب کی بجائے جہلم کا ذکر ہوتا" ۲۲

"مائی ہیر صاحبہ چھیالیس برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے عالم بقا کی طرف سدھار گئیں" ۲۳

کتاب "ابدی آوازاں" از بشیر حسین ناظم کے اقتباس، صفحہ ۳۳ کا ترجمہ: اس کتاب کی تصنیف کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وارث شاہ ٹھٹھہ زاہد کی کسی بھاگ بھری پر عاشق ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے ہی اس عشق کو ہیر رانجھے کے قصے کی شکل میں بیان کر دیا۔ مگر مستند تذکروں میں یہ بات نہیں ملتی۔

"پنجابی ادب دی کہانی" از عبدالغفور قریشی، ص ۱۰۳ کے اقتباس کا ترجمہ: قصے کا پلاٹ وارث نے بے شک دمودر، مقبل یا احمد سے لیا ہو لیکن اس قصے کو ایک المیہ بنانے کی ایجاد وارث کے سر ہے۔

---

۲۲ تذکرہ اولیائے جھنگ از بلال زبیری، جھنگ ادبی اکادمی، ص ۳۸۰۔

۲۳ ایضاً۔ (خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے)

چند ازدواجی مسائل

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

اس کتاب میں جن ازدواجی مسائل کے بارے میں بحث کی گئی ہے، وہ اپنی جگہ نہایت اہم ہیں۔ مثلاً کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار۔ یک بارگی تین طلاق دینے کے متعلق شرعی حکم، خلع، نشے کی حالت میں طلاق، رسم جہیز اور حضانت کے مسائل۔

صفحات ۸ + ۱۰۰ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور